اور تصویروں کی پرستش اور ناقابلِ فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید اور تہذیب نفس بالکل خارج کر دی گئیں ہیں۔ چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں کہ جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے بانی نے ماہئیت اشیاء اور اس زمانہ کی قوتوں کی حالت اور اس امر پر کہ مسائل مذہبی سے کیونکہ مطابق ہو سکتی ہے۔ ایک طویل اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہے۔ اور اس وجہ سے کچھ محل تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ کی بت پرستی اور صائبین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی۔ (معجزۂ قرآن مجید صفحہ ۱۶۳)

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار مذہب اسلام کے متعلق لکھتا ہے کہ: مذہب اسلام کا وہ حصہ جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے (بلکہ نہیں ہوا مقرر) اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزاء، طمع، فضول خرچی، عیاشی، خیانت اور بدگمانی نہایت قابلِ ملامت قرار دی گئی ہیں۔ اور ان کو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ بمقابلہ ان کے خیر اندیشی، فیض رسانی، پاک دامنی، حیا، تحمل، صبر، کفایت شعاری، سچائی، راست بازی، عالی ہمتی، صلح پسندی اور سچی محبت اور سب سے بڑھ کر توکل بخدا اور انقیاد امر الٰہی کو حقیقی ایمانداری کی اصل بنیاد اور مومن صادق کا اصل نشان قرار دیا ہے۔ (معجزۂ قرآن مجید صـ۱۶۸)

اسی مکمل کتاب اور بے نظیر کلام الٰہی کے متعلق مشہور ذمہ دار برطانیہ مسٹر گلیڈ اسٹون بھرے مجمع میں اس کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے کہتا ہے: جبتک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی۔ انہیں علوم اور مدارس کے مٹانے اور مہلک علوم جدیدہ کو شائع کرنے کیلئے لارڈ میکالے کہتا ہے: ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے۔ جو اگر رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل و دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔ (مدینہ بجنور ۲۰ر جنوری ۱۹۳۶ء)

باوجودیکہ ہندوستان میں برطانوی حکومت سے پہلے ہر قریہ اور دیہات میں مشرقی علوم کے مدارس موجود تھے۔ جیسا کہ سر تھامس منرو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندوستانیوں کا طریقہ کاشتکاری بے مثل صنعت و حرفت، ان کی صنعت و کاشتکاری کے معاملہ میں اعلیٰ استعداد ہر قریہ میں ایسے مدارس کی موجودگی جس میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو اسکی عزت و عصمت اور عفت کا پوری طرح کا لحاظ رکھا جاتا ہو۔ یہ ایسے اوصاف ہیں کہ جن کے ہوتے

ہوئے ہم اس قوم کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستان کو یورپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تہذیب تمدن کی تجارت کی جائے۔ تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی۔ اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ (دیکھئے حکومت خود اختیاری)

مگر برطانوی حکومت نے ان مدارس کو اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بنا پہ تباہ و برباد کر دیا۔ مسٹر لڈلو اپنی تاریخ برطانوی ہند میں لکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کے ہر گاؤں میں جو اپنی قدیم شان اور حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھا عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے اور حساب میں انہیں خاص مہارت ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم کو فنا کر دیا ہے اس جگہ دیسی مدرسے بھی فنا ہو گئے (حکومت خود اختیاری)

جبکہ ہندوؤں کے ہر گاؤں میں بچے عام طور پر لکھے پڑھے ہوتے تھے اور مدارس قائم تھے تو مسلمانوں کے گاؤں میں اور ان کی اولادیں کہیں زیادہ تعلیم گاہیں اور علم و ہنر ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں کا مذہب تعلیم و تعلم کو فرض قرار دیتا ہے۔ وہ اس وقت تمام سیاست اور نظام کے مالک تھے۔ آنریبل مسٹر ایلفنسٹن اور ایف وارڈن نے ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۵ء میں مسئلہ تعلیم پر ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں انہوں نے اس نقصان کو تسلیم کیا جو ملک کو انگریزوں کی ذات سے پہنچا تھا۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دئے۔ اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ترغیب نہیں ہوتی بلکہ اس سے قوم کا علم سلب ہوا جاتا ہے۔ اور علم کے پچھلے ذخیرے نسیا منسیا ہوئے جاتے ہیں اس الزام کے رفع کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے۔۔۔ (حکومت خود اختیاری)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی ہی حصہ میں برطانوی مدبرین نے مدارس اور تعلیم گاہوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور ملک ہند سے علمی ذخائر کو معدوم کر کے ہندوستانیوں کو کاہل بنا دیا تھا۔ برطانوی ناپاک پالیسی کا ہمیشہ سے تقاضا یہی رہا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کے کسی قسم کے علم کو بھی رائج نہ ہونے دیں۔ سر ولیم ڈگبی اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں میجر جنرل اسمتھ کے۔ سی۔ بی۔ کی شہادت قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے :

سوال :۔ کیا آپ کسی طرح اس بات کی روک کر سکتے ہیں۔ کہ دیسیوں کو ان کی طاقت کا علم نہ ہو۔

جواب :۔ میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی تاریخ نہیں ملتی کہ معدودے چند اغیار چھ کروڑ

مولانا لطافت الرحمان صاحب استاد العلوم الشرعیۃ والادب العربی
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حدیث اور علمِ حدیث

پیش لفظ | اس مضمون میں عنوان بالا کے دونوں حصوں پر جو کچھ عرض کرنا ہے۔ اس میں ایک تو نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ مضمون کو عام فہم بنانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کی بعض علمی اور ضروری باتوں کو بھی مضمون میں نظرانداز کیا گیا ہے۔ نیز چونکہ مضمون کا زیادہ تر مواد کچھ دروسی محفوظات اور مخطوطات سے وابستہ ہے۔ اس لئے تمام حوالجات کی تکمیل نہ ہو سکی تاہم نقول قابلِ وثوق ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ الثقۃ والتکلان۔

لفظ حدیث کا لغوی معنی | لفظ حدیث پر سیر حاصل بحث نہ تو اپنے بس کی بات ہے اور نہ ہی اس مختصر مضمون میں اس کا پورا بیان ہو سکتا ہے۔ البتہ مختصراً عرض ہے کہ لفظِ حدیث میں عام طور پر قدیم شرّاحِ حدیث کا خیال ہے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے یہ لفظ "حدوث" سے لیا گیا ہے۔ جو قدم کی ضد اور مقابل ہے گویا وحی متلو جو کلام اللہ ہے وہ قدیم ہے۔ اور وحی غیر متلو جو کلام الرسول ہے۔ وہ حادث ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی جلال الدین سیوطی اور دیگر شارحینِ حدیث نے کل لفظ میں حدوث و قدم کا تقابل زیرِ نظر رکھا ہے۔ لیکن مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس تع پر جو محدثانہ تحقیق فرمائی ہے۔ وہ معمولی تغیر و اضافہ کے ساتھ حسب ذیل ہے:

فرماتے ہیں کہ لفظِ حدیث لغوی معنی کے اعتبار سے "تحدیث بالنعمۃ" سے ماخوذ ہے اور سورۃ الضحیٰ کی آخری آیت کا ایک گونہ اقتباس ہے۔ وہ اسطرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں حضور علیہ السلام پر اپنے چند مکارم و عنایات کو شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ ـــــ آپ یتیم اور ظاہر بے آسرا تھے، اللہ نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ آپ کے پاس مستقل شریعت نہ تھی، اللہ نے آپ کو

مکمل شرع و منہاج عطا فرمایا۔ آپ مفلس اور تنگدست تھے اللہ نے آپ کو غنی کر دیا۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے درج بالا تین محامد جلیل القدر نعمتوں کے ردعمل میں گذشتہ ترتیب کو بدل کر حضور علیہ السلام کو تین باتوں کا حکم دیا۔

۱۔ یتیم کو غصّے نہ ہو، جب کہ تم پر خود یہ حالت گذری ہے۔

۲۔ سائل و مسکین کو نہ ڈانٹ، جب کہ تم خود اس حالت سے دوچار رہے ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم تر نعمت کی تحدیث اور چرچا کرو جو بصورت ملت مستقلہ آپ کو دی گئی جس کے لئے آپ کوشاں اور ساعی و داعی تھے، بلکہ استقلالِ قبلہ کے بارہ میں تو اللہ نے صاف فرمایا: قد نریٰ تقلب وجہک فی السماء۔ اب اس توجیہ کے تحت چونکہ شریعتِ حقہ محمدیہ علی صاحبہا الوف التحیہ کا تمام تر سلسلہ ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ بنا براٰں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پھیلانے اور رواج دینے کا حکم دیدیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حدیث ہی اس نعمت جلیلہ کی نشر و اشاعت، ترویج و تبلیغ کا ذریعہ اور سنگِ بنیاد ہے۔ اور بہ الفاظ دیگر آیت کریمہ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ کی تکمیل اور تعمیل ہے۔

پھر تحدیث نعمت کی یہ مہم جن وسیع اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو کر چلائی گئی ہے، اور ظاہری ذرائع و وسائل کے فقدان یا قلت کے باوجود اس نعمت کا جو چرچا ہوا ہے، ہو رہا ہے، ہوتا رہے گا۔ یہ سب باتیں انسانی سعی و کوشش کی سطح سے بالاتر ہیں اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کیطرف سے۔ ورفعنا لک ذکرک۔ کی عملی تشریح ہے۔

ابتداء اسلام میں خود پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام اور ان کے جان نثار صحابۂ کرام نے اس دین قیم کے پھیلانے میں جو کارنامے انجام دئیے ہیں۔ نیز زمانہ مابعد میں اس نعمتِ جلیلہ کا بحر ذخار جس وسیع اور ہمہ گیر پیمانہ پر اطراف عالم میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ وہ سب باتیں واضح ہیں۔ غرض یہ کہ امتِ مسلمہ کے اسلاف اور اخلاف میں حدیث نبوی کی روایت بھی جاری رہی اور درایت بھی، درس و تدریس کا کام بھی ہوتا رہا اور قضاء و فتویٰ کا بھی۔ تصنیف و تالیف بھی ہوتی رہی اور حفظ و نگہداشت بھی۔ اور اگر عہدِ رسالت میں حضرات صحابہ، اصحاب صفہؓ نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو یاد کرنے اور مشکوٰۃ نبوت سے صحیح طور پر سمجھنے کیلئے مدرسہ و مکتب کی بنیاد قائم کی تھی تو یہ سلسلہ بھی بحمداللہ قیامت تک جاری ہے۔ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

تاریخ اسلام کے قرون مشہود لہا بالخیر اور ماضی بعید کے زرّیں ادوار سے قطع نظر کر کے

ماضی قریب ہی کو لے لیا جائے جب کہ مذہب اسلام کو ہندوستان میں بھی سیاسی عروج حاصل ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ یہاں حدیث رسول پہنچ کر رواج پذیر ہوتی چلی گئی اور رفتہ رفتہ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کار اکابر نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا، جو شرع محمدی اور حدیث نبوی کے پھیلانے کا ایک زبردست عالمی مرکز ہے اور اس وقت تمام ممالک اسلامیہ کے علاوہ خود ہندوستان و پاکستان میں اس کی ذیلی شاخیں اور علمی مراکز کار فرما ہیں، جو ترویج دین اور موضوع مضمون تحدیث نعمت کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں جن میں سے مغربی پاکستان کے چیدہ چیدہ اور بلند علمی مدارس حسب ذیل ہیں:

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مدرسہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم کھڈہ کراچی، دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ۔ خیر المدارس ملتان، قاسم العلوم ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور۔ مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی، دارالعلوم سرحد پشاور، جامعہ اشرفیہ پشاور۔ دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف سوات۔ وغیرہ وغیرہ — کثّر اللہ عددَھا وعُددَھا۔ واطالَ مددھا ومُددھا اللھم آمین۔

لفظ حدیث کا اصطلاحی معنی | حدیث کے اصطلاحی معنی یعنی فنی تعریف و تحدید میں اس حد تک تو اتفاق ہے کہ، الحدیث اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ۔ افعال میں تقریر اور بعض قسم کے وہ تُروک بھی داخل ہیں جن کی تفصیل امام شاطبیؒ سے منقول ہے۔ البتہ احوال کے معنی مراد میں علماء حدیث اور علماء اصول فقہ کی دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ چونکہ علم اصول فقہ کی تعریف ہی "العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ عن ادلتھا التفصیلیۃ" ہے اور حکم کا معنی یہاں پر خطاب اللہ المتعلق بافعال المکلفین اقتضاءً او تخییراً او وضعاً" ہے۔ اس بنا پر علماء اصول فقہ کا مطمح نظر انسان کے اختیاری اور ارادی افعال ہیں، جس کے لحاظ سے حضور علیہ السلام کے غیر اختیاری حالات اور کوائف مثلاً ولادت، رضاعت، طفولیت، حلیہ و شمائل، شکل و شباہت، مرض، وفات کے احوال و کیفیات اُن کی اصطلاح کی رو سے حدیث کی تعریف سے خارج ہیں۔ اس کے برخلاف علماء فن حدیث کے یہاں چونکہ احوال میں اختیار و ارادہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کی اصطلاح کے تحت درج بالا تمام حالات و متعلقات پر مشتمل وہ روایات و احادیث بلکہ آثار و اخبار تک حدیث میں داخل ہیں جن کا سرچشمہ کسی بھی طور سے حضور علیہ السلام کی ذات منبع کمالات ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ سیرت مقدسہ کو علم حدیث کے ایک عظیم الشان

حصوں میں سے ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اور کتب حدیث میں سے جامع وہ کتاب ہوتی ہے جس میں ذیل کی آٹھ باتوں میں سے ہر ایک کے متعلق روایات کافی اور معتد بہ مقدار میں مروی ہوں ؎

سِیَر آداب و تفسیر و عقائد — فتن احکام و اشراط و مناقب

چنانچہ کتب احادیث سے متعلق ضابطہ کے تحت عام طور پر صحیح مسلم کو بھی جامع نہیں کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں تفسیر سے متعلق احادیث کم اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگرچہ ان چند روایات کی وجہ سے صاحب قاموس علامہ مجد الدین فیروز آبادی اپنی سند حدیث متصل کرنے کی خاطر اپنا جو محیر العقول کارنامہ ذیل کے تین شعروں میں بیان کیا ہے ان میں انہوں نے صحیح مسلم کو جامع مسلم کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

قرأت بحمد اللہ جامع مسلم — بجوف دمشق الشام جوفاً لاسلام

علی ناصر الدین الامام ابن جمیلی — بحضرۃ حفاظ مشاہیر اعلام

وتم بتوفیق الالہ وفضلہ — قراءۃ ضبط فی ثلثۃ ایام ؎

اوپر محیر العقول کارنامہ کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ صاحب قاموس نے پوری صحیح مسلم کو ضبط و استحکام کے ساتھ اپنے استاد ناصر الدین ابن جمیل کو صرف تین دن ہی میں سنا کر اپنی سند متصل کر دی۔ اگرچہ اس سے زیادہ حیران کن سرعت قرأت وہ ہے جس کے متعلق علامہ زبیری فرماتے ہیں۔ وقرأت فی تاریخ الذہبی فی ترجمۃ اسماعیل بن احمد الحیری النیسابوری الضریر مالفظہ - وقد سمع علیہ الخطیب لبغدادی بمکۃ صحیح البخاری سماعہ من الکشمیہنی فی ثلثۃ مجالس - قال وھذا شیئ لا اعلم احداً فی زماننا لیستطیعہ۔

یعنی صاحب قاموس نے تو تین دن میں پوری صحیح مسلم استاد کو سنا دی تھی۔ لیکن خطیب بغدادی نے اپنے نابینا استاد اسماعیل بن احمد حیری کو پوری صحیح بخاری صرف تین نشستوں میں سنا ڈالی۔ زبیری فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس طرح کرنا کسی کے بس کی بات نہیں معلوم ہوتی ؎

تدوینِ حدیث میں اس بارہ میں بھی علمی سطح پر تدوین حدیث وغیرہ باتوں کی مکمل اور مفصل بحث نہیں چھیڑتا ہوں۔ بلکہ صرف معلوماتی انداز میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حدیث رسول نے وقت گذرنے پر خود ہی ایک بحر مواج کی طرح پھیلنا شروع کر دیا ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ رفع ذکر منظور تھا اس وجہ سے ان کا سلسلہ نہایت وسیع اور طویل و عریض طور پر رواج پذیر ہوتا چلا گیا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کام عروہ ابن شہاب زہری نے کیا

ہے اور انہیں کی زیادہ تر سعی و کوشش سے قرن دوم کے اوائل میں حدیث نے رواج اور فروغ پایا جس کا باعث یہ بنا کہ صحابہ کرام کا ایک بہت بڑا عدد غزوات میں شہید ہوا اور عمر بن عبد العزیزؒ نے والیٔ مدینہ ابوبکر ابن حزم کے نام فرمان جاری کیا اور کہا کہ احادیث کو جمع اور محفوظ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ فرمایا: انی خفت دروس العلم وذھابہ[۵] جس کے ردعمل میں احادیث کا ذخیرہ جمع اور محفوظ ہونے لگا۔ اور مکہ مکرمہ میں ابن جریج، مدینہ منورہ میں امام مالک، خراسان میں عبداللہ بن مبارکؒ شام میں اوزاعی، کوفہ میں سفیان، بصرہ میں حماد، یمن میں معمر، رے میں جریر۔ ان سب حضرات نے حدیث کو حفظ و روایت، درس و تدریس اور جمع و تدوین کے ذریعہ محفوظ کیا[۶]

یہ تو خیر زمانہ مابعد کا قصہ تھا خود عہد رسالت میں صحابہ کرام نے احادیث کی حفظ و روایت کا کام بڑے وسیع پیمانے پر انجام دیا ہے۔ احادیث کے مستقل روایت کرنے والے صحابہؓ کا شمار علامہ ابن عبداللہ نے تین ہزار پانچ سو بتایا ہے۔ علامہ ابن جزری نے سات ہزار پانچ سو پر لکھا ہے۔ بعض نے رواۃ صحابہؓ گیارہ ہزار قرار دئے ہیں، علی بن ابی زرعہ نے بلاواسطہ شرف سماع حاصل کرنے والے صحابہؓ کا شمار ایک لاکھ چودہ ہزار بتلایا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کتاب التلقیح میں رواۃ صحابہؓ کی جو فہرست دی ہے اس میں چند کثیر الروایت صحابہؓ کے نام اور ان کے روایات کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے	۵۳۷۵
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے	۲۲۸۰
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے	۲۲۱۰
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے	۱۵۴۰
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے	۱۶۳۰
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے	۸۴۸

اس درج بالا حفظ و روایت کے علاوہ درس و تدریس اور درایت و فقاہت کے ذریعہ بھی ترویج حدیث کی راہ میں امت مسلمہ کے اسلاف نے جس ہمت و مردانگی اور محنت و زحمت سے کام لیا ہے، اس کی بھی ایک معمولی جھلک ملاحظہ ہو۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں درس حدیث دیا کرتے تھے ان کے دروس میں چار ہزار شاگرد شریک ہوتے ہیں۔ اور چونکہ وہ مجتہدین صحابہؓ میں سے تھے۔ اس وجہ سے

اُن کے دروس سے فقہ و اجتہاد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور خاص طور پر فقہ حنفی تو عبداللہ بن مسعودؓ کے کشت درنجیت کا ثمرہ اور پیداوار ہے۔ گویا وہ اس کھیت کے کاشت کار ہیں اور باقی حضرات اس میں بھی کچھ کام کر چکے ہیں۔ جو ذیل کے دو شعروں میں بیان کیا گیا ہے۔ ؎

الفقہ زرع ابن مسعود و علقمۃ   حصادہ ثم ابراھیم دواس

نعمان طاحنہ یعقوب عاجنہ   محمد خابز والآکل الناس

یعنی فقہ حنفی کا بیج عبداللہ بن مسعودؓ نے بویا اور فصل کو پختہ ہونے کے بعد علقمہ نے کاٹا پھر ابراہیم نے اس کو روندکر دانہ صاف کیا امام ابوحنیفہؒ نے۔ اس کا آٹا تیار کیا امام ابو یوسف نے آٹا گوندا اور امام محمد نے اس سے روٹی پکائی اور لوگ کھاتے رہے۔

عبداللہ ابن مسعودؓ کے بعد جب درس و تدریس کا یہ رواج چلا ہے تو بنا بہ روایت تذکرۃ الحفاظ علی بن عاصم کے درس میں تیس ہزار سے زیادہ تلامذہ نے شرکت کی۔ یزید بن ہارون کے درس میں ستر ہزار شاگرد شریک ہوئے۔ امام عاصم بن علی بن عاصم کے درس میں حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ لگایا گیا ہے۔ ابو مسلم خراسانی کے درس حدیث میں تلامذہ کے علاوہ چالیس ہزار سننے والے ہوا کرتے تھے۔ صرف کوفہ میں اس وقت چار ہزار محدث عالم بنے ہیں۔ امام مالک کے شاگردوں کا شمار اسی ہزار تبلایا گیا ہے۔ سلیمان بن حرب مامون الرشید کے استاد حدیث تھے۔ مامون خود لکھتا تھا اور حاضرین چالیس ہزار تھے۔ امام بخاری سے نوے ہزار تلامذہ نے روایت کی ہے۔ کوفہ میں عثمان بصری شیخ بخاری نے چار ماہ کے عرصہ میں پچاس ہزار احادیث لکھیں اور کہا کہ اگر چاہوں تو مزید ایک لاکھ لکھ سکتا ہوں۔

حفظ حدیث اس سلسلہ میں فنی اور اصطلاحی طور پر حفاظ حدیث کے کچھ درجات اور منازل مقرر کئے گئے ہیں جو مشہور اور تمام شروح حدیث میں مذکور ہیں۔ چنانچہ ایک لاکھ احادیث یاد کرنے والے کو حافظ اور تین لاکھ کے حافظ کو حجت کہا جانے لگا ہے۔ اور جس کو تمام احادیث مرویہ کے متون، اسناد جرح و تعدیل تاریخ، نسخ وغیرہ کل متعلقہ حالات کا حاوی علم حاصل ہو اس کو حاکم کہتے ہیں۔ اس بارہ میں محدثین کبار کے حفظ احادیث کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کرتا ہوں۔

زاہر مزی اور زاہد کوثری کی روایت کے مطابق محمد بن اسحاق ستر لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ ابوبکر رازی ایک لاکھ کے۔ ابو العباس اور مسلم تین تین لاکھ کے۔ ابوداود پانچ لاکھ کے۔ ابوزرعہ سات لاکھ کچھ زیادہ کے۔ امام احمد بن حنبل دس لاکھ کے۔ یحییٰ بن معین بارہ لاکھ کے۔

مالی قربانیاں مشہور امام حدیث اکبر التابعین عروہ بن شہاب زہری نے تحصیل حدیث کی راہ میں اپنی کل جائداد فروخت کی اور آخر کار گھر کا شہتیر بھی فروخت کیا۔ تحصیل علم کی مہم سر کرنے میں ابن مبارک نے چالیس ہزار درہم۔ یحییٰ بن معین نے دس لاکھ درہم۔ علامہ ذہبی نے پندرہ لاکھ درہم، علامہ ابن رستم نے تیس لاکھ درہم، امام عبداللہ نے ستر لاکھ درہم خرچ کئے۔

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق علامہ ابن مسعود بن شیبہ سندھی نے مقدمہ کتاب العلم میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے طلب علم میں دو لاکھ رقم خرچ کی تھی۔ ان کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا بیان ہے کہ مجھے اپنے باپ کے ترکہ میں سے تیس ہزار درہم ملے تھے۔ جن میں سے پندرہ ہزار شعر و ادب کی تحصیل میں خرچ ہوئے۔ اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ کی تعلیم پر۔ امام محمد کے شاگرد ہشام بن عبیداللہ رازی جو ان سے جامع کبیر کے راوی ہیں ان کے متعلق حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ انہوں نے تحصیل علم میں سات لاکھ رقم خرچ کی تھی۔ اسی طرح حافظ کبیر بن سنجر نے تحصیل علم پر نو ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔ علامہ ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم۔ حافظ ابوبکر جوزی نے ایک لاکھ درہم۔ حافظ حدیث علی بن عاصم کا بیان ہے کہ آغاز طلب علم میں مجھے میرے والد نے ایک لاکھ درہم دئے اور کہا کہ اس کے عوض ایک لاکھ احادیث یاد کرنا ہوں گی۔ امام بخاریؒ کے والد بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ امام بخاری نے وہ ساری جائداد طلب حدیث میں صرف کر دی۔

بدنی کلفت و مشقت اس سلسلہ بطور "مشتے نمونہ از خروارے" یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی بیوہ والدہ کے زیر سایہ ترکستان عرب، خراسان ایران کے ایک ایک شیخ کی درسگاہ کو طلب حدیث کیلئے چھان ڈالا۔ محمد بن فرح اموی اندلسی نے یورپ ایشیا، افریقہ تین براعظموں کو طلب علم کیلئے قطع کیا۔ اور اسپین قرطبہ مصر دمشق صنعا رین وغیرہ کے مدارس میں پہنچے۔ ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ بن حبیب اندلسی وزارت کے خانوادے سے تھے، اسپین میں علم سے فارغ ہو کر مزید طلب علم کے لئے اسکندریہ مصر پھر عراق میں داخل ہوئے اور بغداد میں مقیم رہے۔ پھر خراسان کی راہ لی، نیشاپور اور بلخ میں قیام کیا۔ پہلے اسپین میں رہے اور ۵۰۰ھ کو ہرات میں وفات پاکر وہاں دفن ہوئے۔ ابو قالی عراق کے شہر دیار بکر میں پیدا ہوئے اور طلب علم کے لئے موصل بغداد اسپین گئے اور ۳۵۶ھ کو وفات قرطبہ میں پائی۔ حماسہ کے مشہور شارح علامہ تبریزی نے کتابوں کا پشتارہ پیٹھ پر باندھا اور ابوالعلاء المعری کی خدمت میں شام پہنچے اور پسینے سے کتابوں کی یہ حالت تھی کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا۔ یہ تمام اس زمانہ کے

مسلمانوں کے کسب علوم کا جذبہ اور طلب صادق کا حال ہے جس میں موجودہ مواصلات اور ذرائع حمل ونقل کا نام ونشان نہ تھا اور اکثر مسافت پیدل طے کرنا پڑتی تھی۔

علم الحدیث: عنوان مضمون کے اس جزو دوم کے تحت بھی میں اس وقت صرف علم الحدیث کی مبادی اور چند ذیلی فنون کا ذکر کرتا ہوں۔ اللہ نے توفیق دی تو مزید کچھ معروضات پھر سہی۔ علم الحدیث کی مبادی ثلاثہ میں سے اس کی مشہور تعریف تو وہ ہے، جو شیخ عزالدین ابن جماعہ سے منقول ہے جس کو سیوطی وغیرہ سب ہی محدثین نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: علم الحدیث علم بقوانین یعرف بہ احوال السند والمتن۔ سند حدیث راویوں کے اس مجموعے کا نام ہے، جس کے ذریعہ کسی کو حدیث پہنچتی ہے۔ اور متن حدیث، اختتام سند پر حدیث یا اثر، سنت یا خبر کے الفاظ کو کہتے ہیں۔ علم حدیث کے غرض وغایت کے متعلق بھی ابن جماعۃ کے الفاظ یہ ہیں۔ وغایتہ معرفۃ الصحیح من غیرہ۔ موضوع علم حدیث، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور بعض دیگر محدثین نے ذات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول ونبیؐ۔ قرار دیا ہے۔ اور جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی جلال الدین دوانی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ہر علم وفن بیشمار قواعد کلیہ اور مسائل جزویہ کا مجموعہ ہوتا ہے، جن کو بہ جہت وحدت ہی ایک فن اور علم قرار دیا جاتا ہے۔ گویا فن کے تمام مسائل کسی واحد موضوع اور ایک ہی جہت وحدت کے محور پر گھومتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی مسئلہ فن کا موضوع براہ راست فن کا موضوع نہ ہو تو اس کو بھی مقررہ عنوان پر لایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علم حدیث بھی بہت سے علوم وفنون کا منبع اور سرچشمہ ہوتے ہوئے مقررہ جہت وحدت کے لحاظ سے ایک علم کہلایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اس فن لطیف سے بہت ہی علوم وابستہ یا بہ الفاظ دیگر یہ علم علوم کے ایک کثیر عدد پر حاوی ہے۔ جو کسی نہ کسی درجہ میں وہ علم حدیث ہی کی ایک شاخ ہے اور جس طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے علم التفسیر کے بارہ میں اسی عدد علوم مستنبطہ کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ: فہی لا تتناہی نوعاً علی سبیل الادماج ولو نوعت باعتبار ما ادمجتہ فی ضمنها لزادت علی الثلاث مائۃ۔ اسی طرح علم حدیث کے ذیلی علوم میں سے بھی کم از کم ۵۵ علوم کو مدون کیا گیا ہے جن میں سے چند ایک کو علامہ حازمی نے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

علم اسماء الرجال، علم اصول الحدیث، علم الروایۃ، علم الدرایۃ، علم تدوین الحدیث، علم الناسخ والمنسوخ، علم المتفرق الاسناد، علم کیفیۃ الروایۃ، علم حفظ الحدیث، علم المؤتلف والمختلف، علم طبقات الحدیث، علم غریب الحدیث، علم الجرح والتعدیل، علم طرق الحدیث، علم الموضوعات،